Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 35, Sr.No.94, 2014, pp 43 - 52

مجلہ تحقیق
مجلہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد ۳۵، جنوری۔ مارچ ۲۰۱۴ء، شمارہ ۹۴

بابائے پنجابی کے ادبی سفر

محمد جنید اکرم☆

Abstract:

Dr. Faqeer Muhammad Faqeer is a well known literary figure in the twentieth century of Punjabi lang uage & literature. His services to the mother language can't be denied. From some sources it has come to know that for research purpose, promotion of Punjabi and in order to participate in literary activities he happened to visit a number of places all over the India, before and after the partition. In this article, the details of such a journeys are given.

بابائے پنجابی ڈاکٹر فقیر محمد فقیرؒ (5جون1900ء --- 11 ستمبر1974ء) بیسویں صدی میں پنجابی زبان کے سر برآوردہ شاعر، ادیب، محقق، نقاد، مؤرخ، صحافی اور سیوک ہوئے ہیں۔ آپ کی اَن گنت علمی ادبی اور صحافتی خدمات .کے پیش نظر ملک بھر کے علمی ، ادبی اور ثقافتی حلقوں اور اداروں کی جانب سے آپ کو ''بابائے پنجابی'' کے قابل احترام خطاب سے نوازا گیا۔ گذشتہ برس مارچ 2013ء میں پنجاب یونی ورسٹی لاہور کے محترم وائس چانسلر نے آپ کی علمی ادبی خدمات کے پیش نظر شعبہء پنجابی میں ''ڈاکٹر فقیر محمد فقیر ریسرچ چیئر'' قائم کرنے کا اعلان کیا اور (الحمدُ للہ) راقم الحروف کو بحیثیت ریسرچ اسکالر اس مؤقر چیئر پر کام کرنے کا اعزاز بخشا۔ علاوہ ازیں ہائر ایجوکیشن کمیشن نے مارچ2014ء میں آپ کی علمی، ادبی، صحافتی اور ثقافتی خدمات کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے وزیر اعلیٰ پنجاب کی سفارش پر گورنمنٹ ڈگری کالج برائے طلباء پیپلز کالونی، گوجرانوالہ کا نام ''گورنمنٹ فقیر محمد فقیر ڈگری کالج'' کرنے کا نوٹی فی کیشن جاری کر دیا ہے۔

☆ ریسرچ اسکالر، ڈاکٹر فقیر محمد فقیر ریسرچ چیئر، شعبہ پنجابی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

ایک پرانی کہاوت ہے کہ سفر وسیلہء ظفر ہوتا ہے۔ ہم اگر زمانہء ماضی میں گذرنے والے عظیم دانشوروں، علماء، صوفیاء اور فقراء کی زندگیوں کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ حصولِ علم کے لیے نت نئی کتابوں کی تلاش کے ساتھ ساتھ بڑے لوگوں کی صحبت اور مجالس اختیار کرنے کے لیے دُور دراز کے سفر بھی کثرت سے کیا کرتے تھے۔ حالانکہ زمانہء قدیم میں سفر انتہائی مشکل اور کٹھن ہوتا تھا۔ بابائے پنجابی حضرت فقیر محمد فقیر، ڈاکٹر، روحانی طور پر سلسلہء قادریہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے جس دَور میں شعور کی آنکھ کھولی وہ زمانہ ہندوستان میں انگریزوں کے ناجائز قبضے اور لُوٹ مار کا دَور تھا۔ لڑکپن کی عمر ہی سے آپ کے فکروشعور میں انگریز کی غلامی سے نفرت اور تحریکِ آزادیء ہند کے لیے شب و روز جستجو کرتے رہنے کا ایک جنون پیدا ہو چکا تھا جس کی نمایاں جھلک آپ کی شاعری میں جا بجا نظر آتی ہے۔

آپ نے زبانِ زدِ عام یہ ضرب المثل بھی سُن رکھی ہوگی ''لاہور، لاہور ہی ہے''۔ محسوس ہوتا ہے کہ لاہور شہر کی یہ کیفیت زمانہء قدیم ہی سے چلی آ رہی ہے۔ لاہور، اپنے قرب و جوار ہی میں نہیں بلکہ دُور دراز کے چھوٹے بڑے شہروں کے رہنے والوں کی بھی ہمیشہ ہی ضرورت رہا ہے۔ بالخصوص علم و ادب، سائینس اور ٹیکنالوجی کے میدانوں کے طلباء کے لیے تو لاہور شہر بہترین درس گاہ اور تجربہ گاہ ہے۔ قدیم الایام ہی سے طلباء اپنے علمی شعور کی پختگی کے لیے ''لاہوری مکتبہء فکر'' کا رُخ کرتے رہے ہیں۔

اِن ہی تشنگانِ علم و ادب میں حضرت بابائے پنجابی ڈاکٹر فقیر محمد فقیرؒ کا نامِ نامی بھی شامل ہے۔ بابائے پنجابیؒ گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے اور یہیں مدفون ہیں۔ آپ کا قدیم آبائی شہر جموں کشمیر کا ایک قصبہ راول پور ہے (۱) اور بعد از ہجرت آپ کے آباء پنجاب کے وسطی شہر گوجرانوالہ میں آباد ہوئے۔ آپ کو اپنی قدیم اور جدید، دونوں نسبتوں سے بہت پیار تھا جس کا اظہار جا بجا آپ کی شاعری میں بھی ملتا ہے۔

1925ء کے قریب جب اپنے ہومیو پیتھک مطب کو ختم کر کے آپ نے ٹھیکیداری کے کام کا آغاز کیا تو اُس کا مرکزی دفتر ''پاک تعمیرات'' کے نام سے لاہور ہی میں 2، ہسپتال روڈ پر بنایا گیا۔ اپنی کاروباری اور علمی ادبی سرگرمیوں کے فروغ کے لیے آپ باقاعدگی سے گوجرانوالہ سے لاہور تک بذریعہ ٹرین سالہا سال سفر کرتے رہے۔ حالانکہ انہی ایام میں آپ نے اپنی ذاتی گاڑی

بھی رکھی ہوئی تھی مگر اُسے اکثر لاہور ہی میں پارک کر کے بذریعہ ٹرین ہی گوجرانوالہ آنا جانا رہتا تھا۔ پنجابی زبان سے آپ کے عشق ومحبت کے ضمن میں معروف پنجابی شاعر اور دانشور پروفیسر خوشی محمد شارب اکثر فرمایا کرتے تھے کہ :

> ''بابائے پنجابی اپنی ذاتی گاڑی پر بیٹھ کر گوجرانوالہ سے لاہور آئے اور جدوجہد سے بھرپور اپنی تحریکی زندگی میں سب کچھ اپنی منزل کے حصول پر قربان کر کے ٹرین پر سوار ہو کر واپس گوجرانوالہ کو لوٹ گئے'' (۲)

بھاگ دوڑ کی اس زندگی میں پیش آنے والے حالات و واقعات کو ایک تخلیق کار ہوتے ہوئے کبھی نثری اور کبھی شعری انداز میں بیان کرنے کا سلیقہ بھی اُنہیں خوب آتا تھا۔ ایک روز لاہور سے گوجرانوالہ جا رہے تھے تو ایک واقعہ پیش آیا جسے ایک خوبصورت نظم کے روپ میں پیش کیا ہے جس سے اُن کی قوت مشاہدہ کے ساتھ ساتھ اُن کے انسانی مساوات کے بارے میں نظریات کی بھی خوب ترجمانی ہوتی ہے۔ نظم کا عنوان ہے ''کھوہ دا پانی''۔ 1925 کے زمانے میں لکھی یہ نظم ملاحظہ فرمائیے۔

اُڈ بُلبُل جوہوں جاندی اے، جیوں باگے باغ وکھالے نوں
اِک دِن لاہوروں آوندا ساں پیا پرتی گوجرانوالے نوں
ہر بوگی دوجی بوگی نوں پولی جہی مار دھکیل کھلی
چل ایمن آبادوں ٹھیری دے اسٹیشن تے جا ریل کھلی
اِک بھگت پریمی ڈِٹھا مَیں، جاپا کوئی سُگھڑ سیانی دا
سجے ہتھ اوہدے گڑوی سی، کھبے ہتھ ڈولا پانی دا
آکھے تریہایا جاسی اوہ، کرماں دا جہڑا ہینا ایں
اج واہوا ٹھنڈا پانی ایں، آؤ پی لؤ جس نے پینا ایں
سِر کڈھ زنانے ڈبے تھیں بولی مورکھ مُنھ زور کوئی
ایہہ پانی ہندو پانی ایں، یا ہے ای ویرا ہور کوئی
اکو کھوہ، اِکو ٹوٹی اے، نال اکو اکو نلکا اے
اِک ٹوٹی تھیں دُونہہ پانیاں دا کیوں پیندا تینوں جھلکا اے
جاتی دے وَیر ورودھاں دا نہ گندی جوہ دا پانی ایں

نہ ہندو دا، نہ مسلم دا، ایہہ بی بی کھوہ دا پانی ایں
ہولی جہی کہیا فقیر اوہنے نہ بج بدی دا بی، بی بی
بھر گڑوی آکھے پانی ایں لے پینا ای تے پی بی بی(۳)

اپنے ایک مطبوعہ، نشری انٹرویو میں بابائے پنجابی لاہور سے گوجرانوالہ کے سفر کا ایک اور واقعہ اِس طرح سناتے ہی: (اُردو ترجمہ)

"تقسیم ہند سے پہلے کا واقعہ ہے کہ میں اپنی بیگم کے ہمراہ لاہور سے گوجرانوالہ بذریعہ ٹرین جانے کے لیے ایک کمپارٹمنٹ میں بیٹھ گیا جس پر لکھا تھا" For Englo indian and Europeon"۔ ٹکٹ میرے پاس موجود تھا۔ راہیم نامی آخری انگریز اسٹیشن ماسٹر تھا۔ مسٹر راہیم آ کر مجھے کہنے لگا کہ یہ اینگلو انڈین اور یورپین کا کمپارٹمنٹ ہے آپ یہاں سے اُتر جاؤ۔ میں نے اُترنے سے انکار کیا اور اسی اثنا میں مولانا ظفر علی خان کے صاحبزادے اختر علی خان بھی اپنی بیگم کے ہمراہ وہاں آ گئے اور اسی کمپارٹمنٹ میں بیٹھ گئے۔ وہاں اور لوگ بھی جمع ہو گئے۔ انگریز اسٹیشن ماسٹر نے دیکھا کہ اب یہ دو ہو گئے ہیں۔ دراصل وہ یہ سب کچھ ایک بچی کو بٹھانے کے لیے کر رہا تھا اور وہ بچی بھی ہمارے علاقے کی تھی۔ ہم نے کہا کہ یہ ہماری بچی ہے اور ہمارے ساتھ ہی بیٹھ کر جائے گی۔ وہ بچی بھی مسکرا کر ہمارے ساتھ بیٹھ گئی۔ بات ختم ہو گئی مگر لوگ اللہ اکبر کے نعرے لگانے لگے۔" (۴)

آپ کی اِس طرح کے واقعات سے بھرپور روزمرہ کی تحریکی اور جدوجہد سے بھرپور زندگی میں اُن کے شب و روز کا مطالعہ کرنے سے اُن کی فکری اور نظریاتی سوچ میں انسانی مساوات کا گہرا رنگ نظر آتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی صبح گوجرانوالہ اپنے فقیر خانے پر یا شہر کی کسی مجلس میں گذر رہی ہے تو دوپہر لاہور میں مولانا عبدالمجید سالک کے ہاں ضروری صلاح مشورے ہو رہے ہیں، اگلے دِن گجرات پیر فضل گجراتی سے پنجابی کی ترقی کے لیے کوئی ضروری مشورہ کرنے کو گئے ہوئے ہیں تو اُس سے اگلے روز اسلام آباد میں الطاف گوہر اور ممتاز حسن کے دفتر میں "پنجابی ادبی اکادمی" کے کسی مسئلے یا کسی عزیز دوست کی کسی مشکل کو حل کروانے کی خاطر پہنچے ہوئے ہیں۔ یہ زندگی کی وہ بھاگ

دوڑ ہے جو زبانی روایات کی صورت میں اُن کے بعض ہم عصر دوستوں سے وقتاً فوقتاً میں سُنتا رہا ہوں جو کہ میری یادداشتوں میں محفوظ ہے اور میں گاہ بگاہ اُن کا تذکرہ اپنی تحریروں میں کرتا رہتا ہوں۔ زیر نظر مضمون میں صرف اُن چند سفروں کا ذکر کیا جا رہا ہے جو اپنے عزیز و اقارب کے نام لکھے چند دستیاب خطوط میں سے معلوم ہو سکے یا حضرت بابائے پنجابی کے ذاتی پاسپورٹ کی روشنی میں معلوم ہوئے ہیں۔ پنجاب مسلم ہوٹل امیر اکدل، سری نگر سے 3 اگست 1935 کو ایک خط اپنے لڑکپن کی عمر کے گہرے اور عزیز دوست میاں احمد دین لوراں کو لکھتے ہیں :

''بندہ بخیریت تمام سری نگر پہنچ گیا ہے''(۵)

26 ستمبر 1935ء کو اپنی رہائش گاہ محلّہ تکیہ معصوم شاہ، گوجرانوالہ سے اپنے اُنہی عزیز دوست میاں احمد دین لوراں کے نام ایک اور خط میں لکھتے ہیں :

''میں گذشتہ ہفتہ کے روز دہلی ایک کام کی غرض سے گیا۔ راستے ہی میں بخار ہو گیا جو کہ روہتک اسٹیشن تک بہت ہی زیادہ ہو گیا لہٰذا میں روہتک ہی اُتر گیا اور وہاں سے پھر بذریعہ موٹر دہلی پہنچا۔ ایک دن وہاں ٹھہر کر واپس لاہور چلا آیا۔ کل حضرت بخار صاحبؒ ختم ہوئے، کل ہی گوجرانوالہ چلا آیا۔ اب اِن شاءاللہ اتوار تک یہیں رہوں گا''(۶)

24 جون 1935ء کو بھی میاں احمد دین لوراں کے نام لکھا ایک خط میرے سامنے ہے لکھتے ہیں:

''بھائی جان! میں تقریباً 14/15 دِن لاہور سے غیر حاضر رہا یعنی (۱۱ جون) کو کلئیر شریف سے ہوتا ہوا لکھنؤ پہنچا 13/6 کو لکھنؤ سے کانپور گیا اور وہاں دو یوم قیام کرنے کے بعد الہ آباد چلا آیا۔ جس روز وہاں سے واپس آیا اُس روز آپ کا ملفوف گرامی ملا۔ چاہتا تھا کہ اُسی وقت جواب دوں مگر افسوس کہ اُسی وقت انبالے جانا پڑا۔ چنانچہ اسٹیشن پر روانہ ہوا اور بذریعہ پنجاب میل انبالہ کا رُخ کیا۔ یہ تمام چکر کسی غیر کی خاطر تھا لہٰذا سعی تھی کہ اپنے کو بعد میں جواب دے دیا جائے گا''(۷)

قیام پاکستان کے بعد اپنے دیس میں اُن کی مادری زبان کے ساتھ اُس کے بولنے والوں نے جو سلُوک روا رکھا اُس کے خلاف اعلانِ جنگ کرنے والی اولین آواز جس نے پنجابی زبان کے

مخالفوں کو ناکوں چنے چبوا دیئے وہ بابائے پنجابی ڈاکٹر فقیر محمد فقیر ہی کی تھی۔ ستمبر 1951ء میں جب آپ نے لاہور سے ماہوار رسالہ ''پنجابی'' شروع کیا تو اسے باقاعدگی سے شائع کرتے رہنے اور زندہ رکھنے کے لیے آپ کو تن تنہا دامے، درمے، قلمے اور سخنے محنت کرنا پڑی۔ جدوجہد کے اِس دَور میں آپ کی کراچی سے پشاور تک کی بھاگ دوڑ آئے روز کا معمول تھی۔ فروری 1952ء کے شمارے ماہوار ''پنجابی'' کا اداریہ بعنوان ''کاتب دی غلطی'' میں رقمطراز ہیں: (اُردو ترجمہ)

''جنوری (1952ء) کی سترہ تاریخ کو مجھے پنجابی کے فروغ کی تحریک کے سلسلے میں کچھ دنوں کے لیے کراچی جانا پڑا۔۔۔۔ کراچی پہنچ کر وہی ہوا جس کا مجھے پہلے سے خوف تھا۔ یعنی وہاں میرے چار دن زیادہ بسر ہو گئے۔ آخر میں دس فروری (1952) کو لاہور واپس لوٹا۔'' (۸)

تقسیمِ ہند سے پہلے تو ہندوستان بھر میں بابا جی کا آنا جانا علمی ادبی سرگرمیوں کے سلسلے میں اکثر ہوتا رہتا تھا مگر قیامِ پاکستان کے بعد کیونکہ ویزا وغیرہ لگوانے کی مشقت اور دگرگوں سیاسی حالات کی وجوہات ایسی تھیں کہ اُن جیسی معروف علمی ادبی اور سیاسی شخصیات کا ہندوستان کی سمت آتے جاتے رہنا شر پسند لوگوں کو کئی شرارتیں کرنے کے مواقع فراہم کرنے کے مترادف ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُنہوں نے قیامِ پاکستان کے بعد اپنا پاسپورٹ بنوایا اور 56-1955 کے دو سالوں میں ہندوستان کے کئی ایک سفر کیے جن کی تفصیل مندرجہ ذیل سطور میں بیان کی جاتی ہے۔

بتیس صفحات پر مشتمل خستہ حالت میں موجود اِس پاسپورٹ کی جلد گتے کی ہے۔ ٹائیٹل کی جلد سمیت تمام صفحات دائیں کونے کی جانب سے آخر میں پھٹے ہوئے ہیں۔ مگر اہم مطلوبہ معلومات بہ آسانی پڑھی جا سکتی ہیں۔ گتے کی جلد کے اندرونی صفحہ پر حکومت پاکستان کی گول مُہر لگی ہے اور پاسپورٹ بننے کی تاریخ 5 جنوری 1955ء درج ہے۔ صفحہ نمبر 1 کے آغاز میں بائیں کونے پر اُردو اور انگریزی میں ''یہ پاسپورٹ 32 صفحات پر مشتمل ہے'' لکھا ہے۔ اُس کے ساتھ نیچے موٹے لفظوں میں اُردو اور انگریزی میں لفظ ''پاسپورٹ'' اور ''پاکستان'' لکھا ہے۔ اگلے کالم میں پاسپورٹ کا نمبر 258912 درج ہے۔ اگلے کالم میں حامل کا نام ''ڈاکٹر فقیر محمد فقیر'' لکھا ہوا ہے۔

صفحہ نمبر 2 پر عنوان ''تصریحات'' اور انگریزی میں Description درج ہے۔ پہلے کالم میں پیشہ govt.contractor لکھا ہے۔ مقام و تاریخ پیدائش کے کالم میں، لاہور 1900ء لکھا ہے

جبکہ آپ کا درست مقام پیدائش گوجرانوالہ ہے۔ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اُس زمانے میں گوجرانوالہ میں ابھی پاسپورٹ آفس قائم نہیں ہُوا تھا اور پاسپورٹ صرف لاہور ہی سے جاری ہوتا ہوگا لہٰذا لاہور کا ایڈریس لکھوانا پڑا ہوگا۔ اگلے کالم میں متوطن، پاکستانی لکھاہُوا ہے۔ اِس سے اگلے خانے میں، قد، پانچ فُٹ آٹھ اِنچ اور بعدازاں ''آنکھوں کا رنگ، بلیک یعنی کالا'' اِس کے بعد کے کالم میں ''بالوں کا رنگ'' Mixd اور آخر میں ''نمایاں امتیازی نشانات'' کے خانے میں ''گردن پر تِل'' لکھا ہُوا ہے۔

صفحہ نمبر 3 ''حامل کی تصویر'' اور صفحہ نمبر 4 پر موٹے لفظوں میں ''وہ ممالک جن کے لیے پاسپورٹ کارآمد ہے'' یہاں صرف ''پاکستان اور اِنڈیا'' لکھا ہے۔ گویا یہ پاسپورٹ صرف دو ممالک بلکہ یوں کہیے کہ پاکستان سے باہر صرف ایک ہی ملک ''اِنڈیا'' میں جانے کے لیے بنا تھا۔ اسی صفحے پر موٹے لفظوں میں ''یہ پاسپورٹ تاریخ مندرجہ کے بعد کارآمد نہیں ہوگا'' لکھا ہے اور تاریخ 4 جنوری 1960 لکھی ہے۔ صفحہ نمبر 5 پر لاہور میں رہائش کا ایڈریس اور والد کا نام ''محمد لال دین (مرحوم)'' لکھا ہے۔

صفحہ نمبر 6 خالی اور صفحہ نمبر 7 پر اِنڈیا کا پہلا ویزا لگا ہے۔ جس کی تفصیل اِس طرح ہے۔ یہ ویزا صرف شہر ''فیروز والہ'' کا ہے جو کہ 6/1/1955 کو لاہور میں لگایا گیا ہے۔ ویزا نمبر C - 40 اور ویزا لگانے کی فیس ایک روپیہ درج ہے۔ اِس ویزا کے ختم ہونے کی تاریخ 5/4/1955 ہے۔ صفحہ نمبر 8 پر 7/1/1955 کی تاریخ میں ایک مُہر لگی ہے جس میں یہ الفاظ لکھے ہیں Left Pakistan,Via Jallo۔ اِس کے نیچے دوسری مُہر بھارت میں داخلے کی لگی جس میں لِکھا ہے ENTRY, ATTARI RAIL immigration Chek post۔ اِس مُہر کے نیچے 7/1/1955 کی تاریخ لکھی ہے۔ اِسی صفحہ کے آخر میں تھانہ فیروز پور کی کارروائی درج ہے۔ تھانہ فیروز پور کی رپٹ نمبر 9 کے مطابق 9/1/1955 کو اس تھانہ میں داخلہ ہوا ہے۔ صفحہ نمبر 9 انگریزی میں ایک سرکاری تحریر لکھی ہے جس کے مطابق ''ڈاکٹر فقیر محمد فقیر کو ڈپٹی کمشنر فیروز پور کے آفس سے چند دوسرے شہروں کے ویزے جاری کیے جا رہے ہیں۔'' اس تحریر کے آخر میں 9/1/1955 تاریخ درج ہے۔ صفحہ نمبر 10 پر 11/1/55 کی تاریخ میں ڈپٹی کمشنر فیروز پور کے دفتر کی مُہر نمبر 6 لگی ہوئی ہے جس میں چندی گڑھ، لُدھیانہ، جالندھر، ہُشیار پور اور امرتسر کے شہروں کے ویزے لگائے گئے ہیں۔ اِس ویزا مُہر کے مطابق اِن شہروں کے سفر کرنے کا دورانیہ 11 جنوری سے 25 جنوری 1955

ء ہے مگر بابائے پنجابی کے اِس پاسپورٹ کے صفحہ نمبر 11 پر لگی مُہر اور قلمی دفتری کارروائی کے مطابق آپ 18/1/1955 کو بمطابق انٹری نمبر 580 براستہ اٹاری روڈ پاکستان واپس تشریف لے آئے تھے۔گویا قیامِ پاکستان کے بعد یہ آپ کا ہندوستان کا پہلا سفر تھا جو بارہ دنوں پر مشتمل تھا۔

پاسپورٹ کے صفحہ نمبر 12 پر پاکستان چھوڑنے اور اِنڈیا میں داخل ہونے کی مُہریں لگی ہیں۔پہلی مُہر 30/12/1955 کو LEFT PAKISTAN اور دوسری مُہر بھی 30/12/1955 ہی کو ہندوستان میں ENTRY کی ہے۔یہ بابائے پنجابی کا قیام پاکستان کے بعد ہندوستان کا دوسرا سفر ہے جو خاصا طویل ہے۔صفحہ نمبر 13 پر 28 دسمبر 1955 کو لگی ہوئی ویزا مُہر کے مطابق اِس ویزا کا نمبر 85458 - C اور ویزا لگانے کی فیس ایک روپیہ درج ہے۔ اِس کی اختتامی تاریخ 27/3/1956 ہے۔

اور اس ویزا میں امرتسر، جالندھر، لُدھیانہ، دہلی اور بمبئی کے ویزے لگے ہوئے ہیں۔اِس سے اگلے صفحہ نمبر 14 پر انڈر سیکریٹری (ہوم) حکومت پٹیالہ کے دفتر کی ویزا مُہر ہے جو اِسی سفر کے دوران میں لگوائی گئی ہے۔یہ مُہر 25 جنوری 1956 کو پٹیالہ، مانسہ اور سہارنپور میں داخلے کے لیے لگوائی گئی ہے۔اِس مُہر کے مطابق اِن شہروں میں سفر کرنے کا دورانیہ

24 جنوری سے 27 مارچ 1956ء ہے۔ اِس دوسرے سفرِ ہندوستان سے بابائے پنجابی ڈاکٹر فقیر محمد فقیرؔ براستہ واہگہ 3 فروری 1956 کو پاکستان واپس تشریف لے آئے۔گویا آپ کا یہ دوسرا ہندیاترا کا سفر ایک ماہ اور پانچ ایام پر مشتمل ہے۔

تیسرا ویزا صفحہ نمبر 17 پر 29/3/1956 کو لگا ہے جس کی مدت سفر 28/6/1956 تک ہے۔اِس ویزا کا نمبر 46454 - C ہے اور ویزا لگانے کی فیس ایک روپیہ درج ہے۔اِس ویزا پر امرتسر، جالندھر، پٹیالہ اور دہلی شہروں کے سفر کی آپ کو اجازت دی گئی ہے۔اسی صفحے کے آخر میں 30 مارچ 1956 کی تاریخ میں پاکستان چھوڑنے کی مُہر لگی ہے۔صفحہ نمبر 18 کی مُہر کے مطابق آپ 18، اپریل 1956ء کو امرتسر اور دوسرے شہروں کے سفر سے واپس اپنے وطن تشریف لے آئے۔اِس طرح یہ سفر بیس دنوں پر مشتمل ہے۔

اِس پاسپورٹ کے صفحہ نمبر 20 پر 23/4/56 کی مُہر لگی ہے جس کے مطابق پاکستان سے انڈیا کی جانب روانہ ہو گئے ہیں اور صفحہ نمبر 21 پر لگی مُہر کے مطابق 25/4/56 کو براستہ واہگہ

پاکستان واپسی ہوگئی ہے۔ بعدازاں صفحہ نمبر 23 پر 23/4/56 کی تاریخ میں ایک ویزانمبر C 54497 لگا ہے جس میں امرتسر، جالندھر، پٹیالہ اور دہلی کے سفر کی اجازت دی گئی ہے۔ اِس کے بعد کے صفحات خالی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اِس کے بعد آپ نے غیر مُلکی کوئی سفر نہیں کیا۔(۹)

گوجرانوالہ کے معروف معالج ڈاکٹر اصغر علی چوہدری بابائے پنجابی کے نہایت معتقد، بچوں کی طرح لاڈلے اور طویل مدت تک آپ کے معالج خاص رہے ہیں۔ اُنہوں نے ایک انٹرویو میں بتایا کہ:

قدرت اللہ شہاب کے پاس کسی عزیز دوست کا کوئی کام تھا۔ شہاب صاحب اُن دنوں صدر ایوب خان کے پرنسپل سیکرٹری تھے۔ ہم لوگ بابا جی کو ساتھ لے کر اسلام آباد چلے گئے۔ اُن کے دفتر پہنچے تو آنے کا مدعا بیان کیا۔ شہاب صاحب مصروف تھے اُنہوں نے بات سُنی اور کام کر دینے کا وعدہ بھی کیا مگر بابا جی اُن کے جواب سے مطمعن نہ ہوئے اور اُن کے میز سے کاغذ کا ایک ٹکڑا پکڑ کر چند سطریں لکھیں جو اس طرح تھیں:

بکار کسے نمی آئی
با کنارِ کسے نمی آئی
از مبرای تو چوں تواں مردن
بہ مزارِ کسے نمی آئی

یہ کاغذ کا ٹکڑا وہاں رکھا اور اُٹھ کر باہر آ گئے۔ قدرت اللہ شہاب نے وہ کاغذ دیکھا اور بھاگتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کے پیچھے آئے اور کہنے لگے ''بابا جی آپ ناراض کیوں ہوگئے میں کسی ضروری کام میں اُلجھا ہوا تھا آپ تشریف لائیں پہلے آپ کا کام کرتا ہوں۔ بابا جی جواباً فرمانے لگے'' تم جب سے یہاں بیٹھے ہو شہاب کی بجائے شہابیے ہوگئے ہو'۔(۱۰)

لڑکپن کی عمر میں گوجرانوالہ سے شروع ہونے والا زندگی کی جدوجہد کا یہ سفر، سفر در سفر کی صورت اختیار کرتا چلا گیا اور آخر کار بُڑھاپے میں گوجرانوالہ واپس پہنچ کر اُس وقت ختم ہوا جب آپ عمر بھر کی تھکن اُتارنے کی خاطر اپنے شہر کی پاک دھرتی میں مٹی کی چادر اوڑھ کر ہمیشہ کے لیے آرام فرمانے لگے۔

☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ کچی منڈیر پر ایک چراغ، محمد جنید اکرم، صفحہ 181، بزمِ فقیر پاکستان، اگست 2011

۲۔ پروفیسر خوشی محمد شارب سے میری ذاتی ملاقاتوں میں ہونے والی گفتگو

۳۔ کلام فقیر (چوتھی جلد) زیر ترتیب، ڈاکٹر فقیر محمد فقیر

۴۔ تماہی ''پنجابی'' لاہور، بابائے پنجابی نمبر، جولائی 2000 ء سے مارچ 2001ء ڈاکٹر فقیر دا نشری انٹرویو، صفحہ 30

۵۔ تماہی ''پنجابی'' لاہور، بابائے پنجابی نمبر، جولائی 2000 ء سے مارچ 2001ء، بابائے پنجابی دے کجھ یادگار خط، صفحہ 382 - 381

۶۔ تماہی ''پنجابی'' لاہور، بابائے پنجابی نمبر، جولائی 2000 ء سے مارچ 2001ء، بابائے پنجابی دے کجھ یادگار خط، صفحہ -383

۷۔ تماہی ''پنجابی'' لاہور، بابائے پنجابی نمبر، جولائی 2000 ء سے مارچ 2001ء، بابائے پنجابی دے کجھ یادگار خط، صفحہ -384

۸۔ ماہوار پنجابی لاہور، جنوری/ فروری 1952 ء، کاتب دی غلطی، اداریہ، ڈاکٹر فقیر محمد فقیر، صفحہ 30

۹۔ ذیل میں ڈاکٹر فقیر محمد فقیر کے ذاتی پاسپورٹ کے مطلوبہ صفحات کے عکس دیئے جا رہے ہیں۔

۱۰۔ تماہی ''پنجابی'' لاہور، بابائے پنجابی نمبر، جولائی 2000 ء سے مارچ 2001 ء، ڈاکٹر اصغر علی چوہدری تے ڈاکٹر فقیر محمد فقیر (انٹرویو) محمد جنید اکرم، ص 133